مقامِ رسالت کا حقیقی تصوراور ڈینیئل براؤن کی فکر: ایک تجزیاتی مطالعہ

The real status of Prophetic Authority and the views of Daniel Brown; an analytical study

محمد نجم الحسن*

ڈاکٹر منظور احمد**

ABSTRACT:

This article addresses the questions about the nature of Prophetic authority, raised by contemporary orient list Daniel W. Brown in his book 'Rethinking Tradition in Modern Islamic Thought'. In the fourth chapter, he tries to prove that the nature of Prophetic authority is controversial among the modern Muslim scholars namely the supporters of hadith, deniers of hadith and those who adopted a middle way. He argues that the theory of infallibility (isma) of the Prophet (SAW) entered into classical sunni doctrine around ninth Century AD. Most of the Muslim scholars are of the view that the Prophet (SAW) is infallible inasmuch as the revelation is concerned, but they differed in matters falling outside the sphere of revelation. In this way the personality of the Messenger of Allah was divided into two spheres, human and Prophetic. The question as to where to drop a line between the two caused great discussions among the Muslim scholars. Brown states that, during 19th and 20th centuries, these debates led the Muslim scholars of India and Egypt to heated discussions about the authority of the Prophet (SAW) and his Sunnah. He, then, discusses at length the views of different scholars and comes up with results of his own liking. This study tries to clarify ambiguities created by Daniel Brown during the course of discussion and indicates the real status of the Prophetic authority among the Muslims of all ages

Key Words: Quran, The Prophet (SAW), Infallibility, Sunnah, hadith.

مستشرق ڈینیئل ڈبلیو براؤن کی کتاب (Rethinking Tradition in Modern Islamic Thought) جدید اسلامی فکر میں روایت پر نظر ثانی 1996 میں کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ نے شائع کی۔ مصنف نے انڈیا (بشمول پاکستان) اور مصر سے تعلق رکھنے والے انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے چند مسلم مفکرین کے حوالے سے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ جدید اسلامی فکر میں حدیث کی جمع وتدوین اور تشریعی حیثیت کے بارے میں شدید شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔ اپنے نکتہ نظر کی حمایت میں براؤن نے اہل قرآن کے حوالہ جات دیئے ہیں یا ایسے مسلم مصنفین کے جو مستشرقین سے متاثر تھے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حقیقی جدید اسلامی فکر ہے۔ بظاہر اپنی غیر جانبداری کو قائم رکھنے کیلئے مصنف نے قدیم اور کلاسیکی نکتہ نظر رکھنے والے مسلم دانشوروں کے حوالے بھی دیئے ہیں مگر یا تو ان کے

*Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, Gomal University, Dera Ismaeel Khan.
Email: najamhasni@yahoo.com

**Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Gomal University, D I Khan.

موقف کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ وہ حقیقت پسندانہ سے زیادہ روایت پرستانہ نظر آتا ہے یا پھر مصنف نے وضاحت سے ان کے موقف کا ضعف بیان کیا ہے۔ جبکہ کہیں حدیث و سنت کے حوالے سے موافقین اور مخالفین کے موقف کو پیش کر کے اس انداز میں چھوڑ دیا ہے کہ قاری کے ذہن میں اشکالات و ابہامات کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

حدیث و سنت سے جڑے ان اختلافات کو مصنف ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے خود پیغمبرﷺ کے مقام اور آپ کے تشریعی اختیار و استناد کو موضوعِ بحث بناتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ حدیث و سنت کے بارے میں اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ جدید مسلم مفکرین مقام رسالت کے بارے میں بھی ایک صفحے پر نہیں ہیں۔ قرآن کی تشریح و تعبیر اور احکام شریعت کے بارے میں خود پیغمبر اسلامﷺ کی کیا حیثیت ہے اور ان کے اختیارات کہاں تک ہیں ; اس بارے میں مسلمان علماء کے ہاں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ یہ بحث مصنف نے اپنی کتاب کے چوتھے باب میں کی ہے، جس کا عنوان ہے۔The nature of Prophetic Authority یعنی پیغمبرانہ استناد و اختیار کی نوعیت۔ زیرِ نظر مضمون میں اسی باب کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا جارہا ہے اور قرآن و سنت میں بیان کردہ مقام رسالت کا حقیقی تصور اجاگر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

پیغمبرانہ عصمت کا تصور:

مصنف نے باب کے شروع میں پیغمبروں کی عصمت کے بارے میں بحث کی ہے یعنی کہ پیغمبر کس حد تک غلطی یا گناہ کرنے سے پاک اور معصوم ہوتا ہے۔ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے مصنف نے درج ذیل تین نتائج اخذ کئے ہیں:

1. There is little to suggest this idea in the Quran.[1]
2. The in-fallibility of Prophet found its way into mainstream sunni doctrine by the ninth Century of the common era.[2]
3. The jurists divide Prophetic sunna into non-binding (al-sunnah al-'adiya) in order to get a useful tool to avoid legal application of inconvenient traditions.[3]

ان اعتراضات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1: قرآن میں عصمت کا کوئی تصور نہیں ہے۔

2: سنی فکر کے مرکزی دھارے میں عصمت کا تصور نویں صدی عیسوی کے قریب داخل ہوا (پیغمبرﷺ کے وصال کے تقریباً150 سال بعد)

3: فقہاء، سنتِ رسولﷺ کو ضروری (یعنی سنت ھُدیٰ) اور غیر ضروری (یعنی سنت عادیہ) میں اس لئے تقسیم کرتے ہیں تاکہ دشوار روایات کے قانونی اطلاق سے جان چھڑا سکیں۔

عصمت کا لغوی معنی:

ابن اثیر جزری لفظ عصمت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: عصمت کا معنٰی ہے کسی چیز کو روکنا، کسی چیز سے بچانا۔ عاصم بچانے والے اور مددگار کو کہتے ہیں۔ اعتصام کا معنی ہے کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا۔[4]

ابن منظور افریقی متوفی لفظ عصمت کا معنی یوں بیان کرتے ہیں عصمت کا معنی ہے روکنا، بچانا۔ جب اس کا تعلق اللہ کی طرف سے

بندے کو عصمت عطا کرنے سے ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بندے کو ان چیزوں سے بچانا جو تباہی کی طرف لے جاتی ہیں۔[5]

امام راغب اصفہانی عصمت الانبیاء کا معنٰی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں عصمت انبیاء کا معنی یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی ذوات کی خصوصیات کی حفاظت کرنا، پھر ان کے جسمانی اور روحانی فضائل کی حفاظت کرنا، پھر ان کی مدد کرنا اور ان کو ثابت قدم رکھنا پھر ان پر سکینہ نازل کر کے ان کے دلوں کو محفوظ رکھنا اور ان کو توفیق دینا[6]۔ جبکہ علامہ زبیدی نے عصمت کا مفہوم کچھ یوں واضح کیا ہے: زجاج نے کہا عصمت کا معنٰی ہے رسی، ہر وہ چیز جو کسی چیز کو روک لے وہ اس کیلئے عصمت ہے۔ علامہ مناوی نے کہا گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے رکنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔[7]

عصمت کا اصطلاحی مفہوم

علامہ سعد الدین تفتازانی عصمت کا اصطلاحی مفہون بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ پیدا نہ کرے۔ اس کے قریب یہ تعریف ہے: عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو اچھے کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے باوجود اس کے کہ بندہ کو گناہ پر اختیار ہوتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے۔[8]

علامہ شمس الدین خیالی لکھتے ہیں: گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔[9]

قاضی عیاض مالکی قرطبی عصمتِ انبیاء علیہم السلام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جمہور علماء اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔[10]

علامہ غلام رسول سعیدی مختلف اصولیین کی طرف سے عصمت انبیاء کی تعریفات بیان کرنے کے بعد بحث کو ان الفاظ میں سمیٹتے ہیں کہ: علماء اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود خوف خدا کے غلبہ سے گناہوں سے باز رہتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ عمداً نہیں کرتے۔ البتہ نسیان یا اجتہادی خطاء سے ان سے بعض اوقات صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے یا تبلیغی مصلحت کی وجہ سے وہ کسی افضل اور اولٰی کر ترک کر دیتے ہیں۔[11]

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا تصور اور قرآن

اب آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے عقیدے کا حقیقی مآخذ کیا ہے اور مصنف کی یہ رائے کہاں تک درست ہے کہ یہ نظریہ قرآن میں موجود نہیں ہے۔ ذیل میں چند قرآنی آیات دی جارہی ہیں جو اس بارے میں فیصلہ کرنے میں ہماری مدد کریں گی۔ سورۃ النجم کی آیات میں ارشاد ہوتا ہے: وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى-[12]

ترجمہ: روشن ستارہ کی قسم جب وہ زمین کی طرف اترا۔ تمہارے آقا (محمد ﷺ) نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا اور نہ (کبھی) راہ (راست) کے بغیر چلے۔ وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ ان کا کہا ہوا وہی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

یعنی جس طرح ستارہ اپنی ایک معین رفتار سے چلتا ہے ذرہ برابر ادھر یا ادھر نہیں ہوتا اسی طرح نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ آسمانِ نبوت و رسالت کے ایک ستارے ہیں جو راہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کیلئے مقرر فرما دی ہے اس سے ذرہ برابر آگے پیچھے نہیں ہو سکتے اور جس طرح

ظاہری ستاروں کا نظام محکم ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ باطنی و روحانی ستاروں کا نظام محکم ہے جس میں ذرہ برابر تزلزل اور اختلاف کا امکان ہی نہیں ظاہری ستاروں سے ظاہری راستوں کی ہدایت وابستہ ہے اور باطنی ستاروں سے باطنی اور روحانی راستوں کی ہدایت وابستہ ہے۔[13]

اس آیت میں ضلال اور غوایت دونوں کی نفی فرمائی۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ضلال علم کی گمراہی کو کہتے ہیں اور غوایت عملی گمراہی کو۔ لہٰذا معنی یہ ہونگے کہ حضورﷺ کے علم میں غلطی ہے اور نہ عمل میں۔ بعض علماء نے اس طرح فرق کیا کہ ضلال وہ ہے کہ جو خطاءً ہو اور غوایت وہ ہے جو عمداً ہو۔ بعض نے یہ کہا کہ ضلال کے معنیٰ حق اور صحیح راستہ سے ہٹ جانے کے ہیں اور غوایت کے معنیٰ باطل راستہ پر چلنے کے ہیں 14۔ اور اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں دونوں قسم کی گمراہی کی نفی فرمادی ہے۔ قرآن کریم میں چالیس سے زائد مقامات پر رسول اکرمﷺ کی اطاعت اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۚ۔[15]

ترجمہ: فرمادیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اگر نعوذ باللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ صادر ہونے کا امکان ہو تو اس صورت میں ان کی اتباع حرام ہوگی۔ قرآن کریم میں بار بار ان کی اطاعت کا حکم فرمانا اور اسے دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت قرار دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ باری تعالیٰ نے انہیں گناہوں سے محفوظ فرمایا ہوا ہے۔

جس شخص سے گناہ صادر ہوں اس کی گواہی کو بلا تحقیق قبول کرنے سے قرآن مجید نے منع فرمایا ہے: اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو[16]۔ جبکہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے[17] اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ان سے ارتکابِ گناہ کا امکان نہ ہو۔

قرآن مجید نے انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے قرار دیا ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا: اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت اور نگاہِ بصیرت والے ہیں۔ بیشک ہم نے ان کو مخلص کر دیا[18]۔ اور دوسری جگہ قرآن نے یہ اعلان کیا ہے کہ مخلص بندوں کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا: ابلیس نے کہا تیری عزت کی قسم! تیرے مخلَص بندوں کے سوا ان سب کو گمراہ کر دوں گا[19] جبکہ سورۃ الحجر میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا: بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے سوا ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں گے[20]۔

اگر انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم کریں اور خود نعوذ باللہ اس کی نافرمانی کریں تو یہ قول و عمل کا تضاد ہو گا جو کہ اللہ رب العزت کے ہاں سخت ناپسندیدہ اور مبغوض ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے[21]۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے راضی ہے جس کا اعلان سورۃ الجن میں کیا گیا ہے: وہ عالم الغیب ہے، تو وہ اپنے غیب پر کسی کو (بذریعہ وحی) مطلع نہیں فرماتا۔ بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں[22]۔ اگر انبیاء کرام سے گناہ سرزد ہوتے تو یہ ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور آخرت میں سزا کا موجب ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کیلئے قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر اپنے ہاں برگزیدہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ فرمایا: اور بے شک وہ (سب) ہماری بارگاہ میں ضرور برگزیدہ بندوں میں سے ہیں[23]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریمﷺ کی اعلان نبوت سے پہلے والی زندگی کو آپ کے دعوۂ نبوت کی صداقت کی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: آپ کہئیے اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس (قرآن) کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی اطلاع دیتا، بے شک اس (نزول قرآن) سے پہلے میں تم میں عمر (کا ایک حصہ) گزار چکا ہوں۔ کیا تم نہیں سمجھتے[24]۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی کریمﷺ اعلان نبوت سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھے اور گناہوں سے معصوم تھے پھر اعلان نبوت کے بعد گناہ کے ارتکاب کا گمان کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ صرف چند ایک آیات ذکر کی گئی ہیں جو صراحتاً یا کنایۃً انبیاء کرام علیہم السلام کے معصوم ہونے کا اعلان کر رہی ہیں۔ اور جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے کہ چالیس کے قریب مقامات پر رسول کریمﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ سے گناہ سرزد ہو سکتے تو پھر ان گناہوں میں بھی آپ کی اطاعت ضروری ہوتی اور کوئی صاحب عقل و فہم اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ ان تمام آیات کے ہوتے ہوئے ڈینیئل براؤن کا یہ دعویٰ بالکل بے جا اور بے دلیل ہے کہ قرآن کریم میں انبیاء کرام کی عصمت کے حوالے سے کوئی حکم موجود نہیں ہے۔

سنت کی فقہی درجہ بندی کے اسباب

فقہاء کرام نے حضورﷺ کی سنت کو سننِ ھدیٰ اور سنن عادیہ کی صورت میں دو عمومی اور مرکزی اقسام میں تقسیم کیا ہے سنن ھدیٰ سے مراد آپﷺ کے وہ عمل ہیں جنہیں اپنانا ضروری ہے۔ جسے سنتِ موکدہ بھی کہتے ہیں اور سنن عادیہ وہ سنتیں ہیں جن کا اپنانا ضروری نہیں البتہ باعث اجر و ثواب ضرور ہے۔ اس قسم کو سنتِ غیر موکدہ بھی کہا جاتا ہے۔ مصنف نے اس تقسیم کا بنیادی سبب یہ بیان کیا ہے کہ فقہاء جس سنت کو اپنے فقہی نکتہ نظر میں مشکل اور دشوار سمجھتے تھے اس سے جان چھڑانے کیلئے اسے غیر ضروری کہہ کر سننِ عادیہ کے درجے میں رکھ دیتے۔ مصنف کا یہ دعویٰ بھی بالکل بے بنیاد ہے بلکہ انتہائی تعصب کی علامت ہے۔ متقی اور پرہیزگار لوگوں پر مشتمل وہ گروہ جو حضورﷺ کی ایک ایک حدیث اور ایک ایک عمل کو اکٹھا کر رہا تھا تاکہ آپ کے کسی قول و عمل سے امت محروم نہ رہ جائے۔ سند اور راویوں کو جانچنے کیلئے علوم وضع کئے تاکہ کوئی غلط چیز آپﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ یہ محدثین کی خدمات تھیں۔ فقہاء کرام غور و خوض کرتے رہے تاکہ آنے والی نسلوں کو مکمل شرعی رہنمائی میسر آ جائے۔ اس محنت کے ثمر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ کتب حدیث میں حضرت مغیث و بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایت کردہ ایک حدیث سے فقہاء کرام نے 162 فقہی احکام کا استنباط کیا[25]۔ اسی طرح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ان کے حضورﷺ کے ہاں رات گزارنے کا ذکر ہے، اس ایک حدیث سے 69 فقہی احکام اخذ کئے گئے ہیں[26]۔ اس ساری محنت و مشقت کو یہ کہہ کر بے وقعت کر دینا کہ یہ سب کچھ محض اپنی پسندیدہ احادیث کو ضروری اور دیگر کو غیر ضروری قرار دینے کیلئے تھا انتہائی زیادتی ہے اور کوئی غیر جانبدار محقق ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

حضورﷺ کے ہر عمل کے تعدد و تکرار اور پھر آپﷺ کی تاکید و تنبیہہ کو دیکھنے کیلئے اصول فقہ کی صورت میں پورا علم وضع کیا گیا۔ اس کے اصول طے کئے گئے پھر ان کی بنیاد پر آپﷺ کی ایک ایک حدیث اور عمل کا جائزہ لیا گیا اور اس طرح اس کے درجے کا تعین کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپﷺ کی زندگی کو قرآن کریم نے مسلمانوں کیلئے اسوۂ حسنہ کا درجہ دیا ہے۔ لہٰذا آپ کے ہر ہر عمل کی صحیح نوعیت کا جاننا ہر مسلمان کیلئے ضروری تھا کہ کون سا عمل آپﷺ نے ہمیشہ کیا ہے اور کون سا کام آپﷺ نے کبھی کبھار کیا ہے۔ تاکہ جس درجے میں کوئی عمل

ثابت ہو اسی کے مطابق اسے اپنایا جائے۔ پیر محمد کرم شاہؒ نے اپنی کتاب سنت خیر الانام میں افعال نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علماءِ اصول کے مطابق حضورﷺ کے افعال تین قسم کے ہیں۔ پہلے وہ افعال جو حضورﷺ کی خصوصیات سے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو حضورﷺ کیلئے مباح ہیں اور ہمارے لئے حرام ہیں مثلاً چار سے زیادہ بیویوں سے نکاح یا صوم وصال یعنی کئی رات دن افطار کئے بغیر روزہ رکھے رہنا۔ کچھ ایسے ہیں جو حضورﷺ کیلئے واجب ہیں اور امت کیلئے مباح ہیں مثلاً آپﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی جبکہ امت کیلئے مباح ہے۔ دوسرے وہ افعال ہیں جن کا تعلق حیات انسانی سے ہے۔ نشست وبرخاست، خورد ونوش اور چلنا پھرنا وغیرہ جن کا تعلق عبادات سے نہیں۔ ان افعال کی پابندی امت پر فرض نہیں اگر ایسا کریں تو مباح ہے۔ تیسرے وہ افعال ہیں جن سے مقصود احکام الٰہی کا بیان اور وضاحت ہے جن کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے ان افعال کا اتباع اور اطاعت امت پر فرض ہے اور یہی سنت تشریعی ہے[27]

حضورﷺ کے افعال کی یہی تین اقسام ہیں جو فقہاء کرام اور اصولیین کے ہاں موضوع بحث رہی ہیں۔ بعض علماء نے پہلی قسم کو بیان نہیں کیا کیونکہ وہ آپﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور امت کیلئے ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے صرف دو قسموں کو بیان کیا ہے ۔ مثلاً علامہ عبد العزیز بخاری نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے افعالِ رسولﷺ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم سنن ھدیٰ ہے جنہیں سنن موکدہ بھی کہا جاتا ہے جیسے نماز باجماعت اور اذان وغیرہ جبکہ دوسری قسم سنن عادیہ کی ہے جنہیں سنن غیر موکدہ بھی کہتے ہیں۔ مثلاً کھانے پینے اور پہننے وغیرہ میں آپﷺ کے انداز۔ ان اعمال کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اگر کوئی عمل کرے گا تو ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر چھوڑ دے تو اس پر ملامت نہیں کیجائے گی[28]۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے چند مسلم علماء کی یہ رائے ذکر کی ہے کہ سنن عادیہ کا تعلق چونکہ پیغمبرانہ مشن سے نہیں ہے اس لئے ان کا اپنانا ضروری نہیں 29 تاہم ایسے اعمال کو رسول کریمﷺ کی سنت سے خارج نہیں کیا جا سکتا اس لئے اگر کوئی شخص ان کو اپناتا ہے تو وہ یقینا اجر وثواب کا مستحق ہو گا[30]۔

معروف حنفی فقیہہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ سنت رسول اکرمﷺ کے مستقل عمل کا نام ہے۔ اگر آپﷺ نے اس عمل کو کبھی ترک نہ کیا ہو تو وہ سنت موکدہ کہلائے گا اور اگر اسے کبھی کبھار ترک کر دیا ہو تو سنت غیر موکدہ ہو گا اور اگر آپﷺ نے کوئی عمل ہمیشہ کیا ہو اور اس کے ترک پر وعید بھی فرمائی ہو تو وہ واجب ہو گا[31]۔

یہ چند اقتباسات اس حقیقت کی نشاندہی کرنے کیلئے کافی ہیں کہ فقہاء کرام نے کس باریکی کے ساتھ حضورﷺ کے ایک ایک عمل کا مطالعہ کیا اور پھر ان میں سے ہر ایک کی قانونی حیثیت کا تعین کیا۔ ان تمام کوششوں کے پیچھے یہ جذبہ کار فرما تھا کہ مسلمان کسی ایسے عمل کو چھوڑنے کے مرتکب نہ ہوں جسے کرنا ضروری ہو۔ ساتھ ساتھ جن افعال کے بارے میں شریعت میں تاکید نہیں پائی جاتی ان کے بارے میں بے جا اصرار اور بحث وتکرار سے بچ سکیں۔ کیا اس ساری محنت اور تحقیق وجستجو کو یہ کہہ کر بے وقعت کرنا کہ اس کا مقصد محض مشکل روایات سے جان بچانا تھا کسی طور بھی حق بجانب ہو سکتا ہے۔

محمدﷺ کی پیغمبرانہ شان اور انسانی حیثیت

سنتِ رسولﷺ کے ضروری اور غیر ضروری ہونے کی بحث سے مصنف ایک نیا مباحثہ شروع کرتا ہے کہ جدت پسند مسلم علماء مثلاً سر سید احمد خان اور محمد عبدہ وغیرہ نے پیغمبرﷺ کے دائرہ اختیار کو صرف وحی پہنچانے تک محدود کر دیا ہے اور نتیجۃً یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام سیاسی و سماجی امور متعلقہ زمانے کے لوگ خود طے کریں گے۔ اس بحث کے آغاز میں مصنف نے دور جدید کے مسلم علماء کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد بیان کرتے ہوئے یہ عجیب جملہ درج کیا ہے:

"The problem with infallibility is that it leaves so little room for improvement or for change of any kind"[32]

نظریۂ عصمت میں اصل مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ (نبیﷺ کو) معصوم مان لینے کے بعد (شرعی معاملات میں) کسی قسم کی تبدیلی یا اصلاح کی گنجائش کم ہی رہ جاتی ہے۔

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ مصنف کے خیال میں نبی ورسول کو معصوم نہیں ہونا چاہئیے۔ بلکہ اسے معاذ اللہ ایسا گناہگار انسان ہونا چاہئیے کہ جس میں اصلاح کی گنجائش باقی رہے۔ در اصل مصنف اہل کتاب کے اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جس نے اپنے نبیوں کو بلند مقامِ عصمت سے نیچے گرا کر عام گناہگار انسانوں کی صورت میں لا کھڑا کیا ہے۔ اسلام میں پیغمبر اصلاح کرنے والے کو کہتے ہیں۔ جس کا قول و عمل دوسروں کیلئے مثال ہوتا ہے اور جس کی تقلید دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت قرار پاتی ہے۔ اصلاح کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں غلطی یا کوئی کمی رہ گئی ہو جبکہ اسلام کی تعلیمات کامل واکمل ہیں اور انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا-[33]

اس کے ساتھ ساتھ اسلام اپنے اندر ایسی وسعت اور لچک رکھتا ہے کہ یہ بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں میں کبھی اجنبی محسوس نہیں ہوتا۔ ائمہ مجتہدین نے قرآن و سنت کی روشنی میں اصول فقہ ترتیب دے کر ایسی مضبوط بنیادیں فراہم کر دی ہیں جو ہمیشہ نئے پیش آمدہ مسائل کے حل میں مدد فراہم کرتی رہیں گی۔ اس کی ایک مثال معروف مسلم سکالر علامہ عبدالمجید نے شرح صحیح مسلم کی تقریظ میں ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ طب کے میدان میں Test Tube Baby کی صورت میں جو ایک نئی سہولت پیدا ہوئی ہے کہ اگر کسی خاتون کے ہاں طبی مسئلہ کی وجہ سے معمول کے مطابق بچہ پیدا نہ ہو سکے تو اس کے بچے کو کچھ عرصہ مصنوعی ٹیوب میں رکھ کر پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مولانا عبدالمجید کہتے ہیں کہ میں برطانیہ میں ایک میٹنگ میں شریک ہوا جس میں درجن بھر غیر مسلم سکالرز بھی موجود تھے اس میں میں نے بیان کیا کہ رسول اللہﷺ کے ماضی اور مستقبل کی خبریں دینا تو الگ رہا میں تم کو ایک غلام شمس الائمہ امام سرخسی کی ایک کرامت سناتا ہوں کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی صورت میں پیدا ہونے والے بچے کے جائز و ناجائز ہونے کا جو مسئلہ آج پیدا ہوا ہے اس بارے میں تقریباً ایک ہزار سال پہلے امام سرخسی رہنمائی فراہم کر چکے ہیں کہ اس طرح پیدا ہونے والا بچہ اسلام کے مطابق اپنے والدین کی جائز اولاد ہو گا اور اس کو تمام حقوقِ نسب و وراثت حاصل ہوں گے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ جس شوہر میں جماع کی صلاحیت نہ ہو اور اس کا نطفہ کسی اور ذریعہ سے عورت کے اندام نہانی میں پہنچا دیا جائے تو اس طرح پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس کے شوہر سے ثابت ہو گا34۔ امام سرخسی کی بیان کردہ یہ صورت ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے جواز کی دلیل ہے۔ مولانا عبدالمجید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میڈیکل سائنس کو آج معلوم ہوا ہے کہ بغیر جماع کے بچہ پیدا ہو سکتا ہے اور ہمارے فقہاء

نے ایک ہزار سال پہلے یہ مسئلہ بتادیا تھا جب وہاں موجود غیر مسلم سکالرز نے یہ بات سنی تو ان میں سے دو نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے ایک کا نام محمد سلیم اور دوسرے کا نام محمد عابد رکھا[35]۔ ایسی وسعت رکھنے والا مذہب عصمتِ نبیﷺ کے عقیدے کی وجہ سے کوئی مشکل اور پریشانی محسوس نہیں کرتا بلکہ یہ عقیدہ اس کے ماننے والوں کے یقین و عمل کو اور تحریک دیتا ہے۔

مقام رسالت اور عصر حاضر:

مصنف گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتا ہے کہ پیغمبرﷺ کے معصوم ہونے کا تصور قدیم اسلامی فکر کا حصہ ہے جو سترھویں صدی عیسوی کے اختتام تک جاری رہا۔ جبکہ جدید دور کے تقاضوں سے متاثر ہو کر مسلمان علماء نے پیغمبرﷺ کی مافوق الفطرت اور معجزاتی شان کے ذکر سے گریز کرتے ہوئے انہیں ایک عام انسان اور سیاسی و سماجی مصلح کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا اور مصنف کے بقول یہ سفر اٹھارویں صدی عیسوی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے شروع ہوا اور برصغیر میں سر سید احمد خان اور مصر میں محمد عبدہ سے ہوتا ہوا اہل قرآن تک پہنچا۔ اس بحث میں مصنف کے درج ذیل اقتباسات اہم ہیں۔

Where pre-modern Muslim piety envisions Muhammad as a cosmic figure, larger than life and invested with superhuman qualities, modern treatments of Muhammad bring the prophet back down to earth...... Begining with Shah WaliUllah Muslim thinkers, especially in India, began to take a new interest in the sunna of the Prophet as a model for social and political reforms....The challenge of missionary polemics and orientalist scholarship of Muhammad encouraged the tendency to demythologize Muhammad's life".[36]

دورِ جدید سے قبل مسلم صوفیاء و متقین جہاں محمدﷺ کو زندگی سے بھی بڑی کائناتی ہستی تصور کرتے تھے اور مافوق الفطرت صفات کا حامل سمجھتے تھے وہاں اب محمدﷺ سے جدید سلوک انہیں دوبارہ زمین پر لے آیا۔ شاہ ولی اللہ کیساتھ ہی ہندوستان کے مسلم مفکرین نے سنت رسول میں از سر نو دلچسپی لینا شروع کی۔ نتیجتاً محمدﷺ کا تصور سماجی اور سیاسی اصلاح کے ماڈل کے طور پر سامنے آیا۔ مشنری مناظروں اور محمدﷺ پر مستشرق فاضلین کے کام نے محمدﷺ پر سے افسانوی پردوں کو اتار دینے کے رجحان میں حوصلہ افزائی کی۔

درج بالا اقتباسات میں مصنف نے اپنے تئیں جدید و قدیم اسلامی فکر کا حاصل مطالعہ پیش کیا ہے۔ جنہیں الگ الگ نکات کی صورت میں یوں ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ محمدﷺ کے بارے میں قدیم تصور (سترہویں صدی عیسوی تک) انہیں مافوق الفطرت ہستی سمجھنے کا تھا اور ان کی شخصیت کے ارد گرد افسانوی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی سے مقام رسالت کے بارے میں نیا تصور وجود میں آنا شروع ہوا جس کے مطابق وہ عام انسان تھے اور پیغمبر سے زیادہ ایک سیاسی و سماجی مصلح تھے۔

ڈینیئل براؤن کے اخذ کردہ یہ دونوں نتائج خلاف حقیقت ہیں۔ حضورﷺ کی معجزاتی شان ہو یا آپ کی بشری صفات ہوں سب کا بنیادی مآخذ قرآن حکیم ہے اور احادیث صحیحہ ہیں۔ ان میں سے کوئی ایسا تصور نہیں جو سترہویں صدی عیسوی کے بعد کسی لمحاتی و عارضی سبب کی وجہ سے تبدیل ہوا ہو یا نئے سرے سے وجود میں آیا ہو۔ جہاں تک آپﷺ کی معجزاتی شان کا تعلق ہے وہ آپ کے ایسے کمالات ہیں جو پیغمبروں کو اللہ رب العزت کی طرف سے عطا ہوتے ہیں جبکہ مصنف انہیں اپنے مطالعے کی کمی یا حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی بالارادہ کوشش کی وجہ سے

Myth اور Mythology یعنی فرضی داستانوں سے جوڑ رہا ہے اور دعویٰ کر رہا ہے کہ پیغمبر ﷺ کی ذات پر چڑھا ہوا یہ افسانوی رنگ اٹھارہویں صدی کے بعد اترنا شروع ہوا۔

Myth کا معنی و مفہوم:

ویبسٹرز ڈکشنری کے مطابق Myth کا معنی ہے۔

Imaginary, fictitious or not based on facts or scientific study[37]

یعنی خیالی، من گھڑت، ایسی چیز جس کی بنیاد حقائق اور سائنسی مطالعہ پر نہ ہو۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مصنف نے متھ کا مفہوم کچھ یوں بیان کیا ہے۔

"Myths narrate fantastic events with no attempt at proof, it is sometime assumed that they are simply stories with no factual bases and the word has become synonym for falsehood or at best, misconception".[38]

متھس (فرضی کہانیاں) وہمی و خیالی واقعات بیان کرتی ہیں جن کے ثبوت (لانے) کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ بعض اوقات ان سے ایسی کہانیاں مراد لی جاتی ہیں جن کی کوئی حقیقی بنیاد نہ ہو اور اب یہ لفظ جھوٹ یا زیادہ سے زیادہ غلط فہمی کا مترادف بن چکا ہے۔

اگر لفظ Myth کے اس مفہوم کو دیکھا جائے تو مصنف کا یہ کہنا کہ پیغمبر کی ہستی اٹھارہویں صدی کے بعد Demythologize ہونا شروع ہوئی، واضح کر رہا ہے کہ مصنف کی نظر میں اس سے پہلے آپ کی ذات کے گرد فرضی اور خود ساختہ تصورات کا ایک پردہ تھا جس کا حقیقت اور صداقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ایک غیر جانبدار محقق سے اس طرح کے متعصبانہ اور غیر حقیقت پسندانہ رویئے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ساتھ ساتھ یہ اس بات کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ مصنف نے منکرین حدیث و سنت اور ان کے مدافعین و حاملین کے نکتہ ہائے نظر کو انصاف پسندی اور غیر جانبداری سے پیش نہیں کیا بلکہ اپنی مرضی کے نتاءج اخذ کرنے کیلئے انہیں ایک سیڑھی کے طور پر استعمال کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ شان اور بشری صفات:

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کا کام ہی اللہ سے احکام لے کر بندوں تک پہنچانا ہے۔ اس حیثیت سے اس میں دونوں قسم کی صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک طرف اس کا تعلق اللہ رب العزت کی ذات سے ہے جس سے وہ مقرب فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے وحی حاصل کرتا ہے دوسری طرف وہ عام انسانوں سے بھی جڑا ہوا ہوتا ہے تاکہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچا سکے۔ لہٰذا تعلق باللہ کے خاص حوالے سے وہ عام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے اور یوں اس کی حیثیت کو مافوق البشر بھی کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ انسانوں کیلئے اس کی سنت اسوۂ حسنہ بنتی ہے تو یوں بشری تقاضوں کی ادائیگی میں وہ ایک عام انسان کے روپ میں نظر آتا ہے۔ جہاں تک رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے تو آپ ﷺ کی ان دونوں حیثیتوں کا ذکر خود قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ یہ کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جو اٹھارہویں صدی کے بعد تبدیل ہو گیا ہو. ذیل میں ہم دونوں قسم کی قرآنی آیات پیش کر رہے ہیں۔

پیغمبر ﷺ کی خصوصی معجزاتی شان اور قرآن:

قرآن کریم کی بہت سی آیات رسولﷺ کے ایسے ادب اور تعظیم کا درس دیتی ہیں جو کسی عام انسان کیلئے مقصود نہیں ہے مثلاً قرآنِ کریم میں حضورﷺ کی مجلس کے آداب خود خالقِ کائنات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرماتا ہے: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو اللہ تمہارے لئے کشادگی فرما دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔ اللہ تم میں سے کامل مومنوں کے اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا۔[39]

اسی طرح جب کوئی حضورﷺ سے سرگوشی کرنا چاہے تو قرآن کا حکم ہے ایسا کرنے سے پہلے صدقہ دیا کرو: اے ایمان والو! جب تم رسول(ﷺ) سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے[40]۔ آپﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے آواز کا لیول کیا ہونا چاہیئے اس کا فیصلہ بھی قرآن کریم فرماتا ہے: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی(ﷺ) کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو جیسے ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو۔ ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔[41]

اللہ رب العزت کی طرف سے تعلیم فرمودہ یہ آداب کیا یہ ظاہر نہیں کرتے کہ یہ ایسی ہستی کے بارے میں ہے جو Larger than life ہو یعنی عام انسانوں سے بالاتر ہو؟ اور موخر الذکر آیت کریمہ آج تک آپﷺ کے روضۂ انور پر لکھی ہوئی ہے کیونکہ آپﷺ کے سامنے آوازیں پست رکھنے کا حکم صرف آپﷺ کی حیات ظاہری کیلئے نہیں تھا بلکہ آپﷺ کی قبر انور کے سامنے بھی یہی حکم ہے[41]۔ قرآن کریم پیغمبرﷺ کے پکارنے کو عام انسانوں کے پکارنے سے برتر قرار دیتا ہے: تم رسولﷺ کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو[43]۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول(ﷺ) کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب رسول(ﷺ) تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے حیات آفریں ہو۔[44]

رسول اکرمﷺ کا پکارنا اتنا اہم تھا کہ اگر کوئی نماز بھی پڑھ رہا ہوتا تو اس کے لئے نماز چھوڑ کر آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہوتا[45]۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی نماز کو درمیان میں چھوڑ کر آپﷺ کی پکار پر چلا جاتا تو واپسی پر وہ نماز وہیں سے شروع کرتا جہاں چھوڑی تھی کیونکہ آپﷺ کی طرف جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی[46]۔ قرآن کریم پیغمبرﷺ کے دروازے پر دستک دینے کی اجازت بھی نہیں دیتا بلکہ حکم فرماتا ہے کہ آپﷺ سے ملنے والے آپﷺ کے دروازے پر بیٹھے رہیں جب آپﷺ اپنی مرضی سے خود باہر آئیں تو پھر ملاقات کر لیں۔ (اے رسول اکرمﷺ) بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر پکارتے ہیں ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتٰی کہ آپ خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔[47]

رسول اکرمﷺ کے گھر میں حاضری اور کھانا کھانے کے آداب بھی قرآن تعلیم فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! نبیﷺ کے گھروں میں داخل نہ ہو بغیر اس کے کہ تمہیں کھانے کیلئے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ۔ بیشک تمہارے اس عمل سے نبیﷺ کو تکلیف پہنچتی ہے سو وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا۔[48]

رسولﷺ کے ساتھ امتیوں کے تعلق کی یہ تمام مفصل ہدایات خود خالق کائنات بیان فرمارہا ہے۔ کیا تعلیمِ آداب کا یہ انداز یہ سمجھنے کیلئے کافی نہیں ہے کہ رسولﷺ کی حیثیت عام انسان سے مختلف اور بالاتر ہے اور کوئی شخص آپ سے اس طرح سلوک نہ کرے جیسے برابر کے انسان سے کیا جاتا ہے۔ مصنف نے قرآن کریم کے مطالعے کی تکلیف کئے بغیر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ محمدﷺ کے بارے میں زندگی سے بڑی کائناتی ہستی کا تصور صوفیاء کا گھڑا ہوا ہے اور اس کی کوئی اصل قرآن کریم میں نہیں ہے۔

پیغمبرﷺ کی بشری صفات اور قرآن

اب ہم دوسرے پہلو کا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ یہ کہ آیا مصنف کا یہ دعویٰ درست ہے کہ پیغمبرﷺ کی بشری اور انسانی حیثیت کا تصور مسلمانوں کو درپیش جدید چیلنجز کے نتیجے میں سامنے آیا؟ قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی بلاشبہ قرآنی تصور ہی ہے۔ قرآن مجید نے نبی کریمﷺ شخصیت کے دونوں پہلوءوں کو خود ہی واضح فرمایا ہے۔ ایک طرف مسلمانوں کو باور کرایا گیا ہے۔ کہ وہ نبیﷺ کی ذات کو اپنے جیسا نہ سمجھیں کیونکہ اس طرح ان کے دلوں میں نبوی احکامات کی اہمیت کم ہو جاتی۔ جس کی طرف اشارہ قرآن کریم نے کفار کے اس قول کی صورت میں کیا: اور کافروں نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے) ڈرانے والا ہوتا[46]۔ جبکہ دوسری طرف ایک اور انتہا تھی جس سے مسلمانوں کو بچانا تھا کہ کہیں وہ پیغمبرﷺ کو خدا کا بیٹا نہ کہنا شروع کر دیں جیسا کہ قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا ہے: اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سروپا) باتیں ہیں۔[50]

نبی کریمﷺ کی انسانی حیثیت پر زور دے کر قرآن مجید نے اس انتہا پسندانہ تصور کا راستہ بھی بند کر دیا۔ قرآن کریم نے واضح کیا کہ رسول اکرمﷺ اپنی تمام صفات اور کے خصائص باوجود انسان ہیں اور اللہ کے بندے ہیں، خدا یا خدا کے بیٹے نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے: (اے محمدﷺ) آپ کہہ دیجئے میں (خدا نہ ہونے میں) تمہاری ہی طرح بشر ہوں۔ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے[51]۔ پھر فرمایا: اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے سو اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے پوچھ لو۔ ہم نے ان (رسولوں) کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔[52]

اسی طرح اور کئی آیات میں بھی اسی حقیقت کی وضاحت فرمائی گئی ہے تاکہ کوئی نبی کو معبود نہ بنالے۔ قرآن کریم کی بیان کردہ پیغمبرﷺ کی ان دونوں حیثیتوں کو کئی احادیث میں بھی واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث پاک میں حضورﷺ نے اللہ کی طرف سے عطا فرمودہ اپنی عظیم شانوں اور خصائص کو یوں بیان فرمایا: مجھے چھ وجوہ سے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع کلم عطا کئے گئے۔ میرا رعب طاری کر کے مدد کی گئی ہے۔ میرے لئے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا، میرے لئے تمام روئے زمین پاک کرنے والی اور نماز کی جگہ بنادی گئی۔ مجھے تمام مخلوق کیطرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی[53]۔ ایک اور حدیث میں آپﷺ نے قیامت کے دن عطا ہونے والی اپنی عظمتوں کا ذکر فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا، سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا

اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی[54]۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی اٹھنے والا ہوں، جب لوگ وفد بن کر جائیں گے تو میں ہی ان کا خطیب ہوں گا، وہ نا امید ہوں گے تو میں ہی ان کو خوشخبری سنانے والا ہوں گا۔ اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے ہاں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں[55]۔

درج بالا بحث یہ واضح کر رہی ہے کہ رسول کریمﷺ کی معجزاتی شان اور ہوں یا خصائص آپﷺ کی بشری و انسانی حیثیت دونوں تصور بنیادی طور پر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے بیان کردہ ہیں اور دونوں کا مقصد مسلمانوں کو انتہاء پسندی اور غلو سے بچانا اور اعتدال و توازن کی راہ دکھانا ہے۔ جمہور مسلمان ہمیشہ اسی عقیدے پر ثابت قدم رہے ہیں۔ اسلئے مصنف کا یہ دعویٰ کہ اٹھارویں صدی عیسوی تک محمدﷺ کی شخصیت فرضی رنگ میں رنگی ہوئی (Mythologized) تھی یہاں تک کہ جدت پسند مسلم علماء نے جدید چیلنجز کے پیش نظر آپﷺ کی انسانی حیثیت پر زور دینا شروع کر دیا بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف بنیادی اسلامی مآخذ یعنی قرآن و حدیث سے نابلد ہے اور چند تاریخی واقعات کے سہارے اپنی مرضی کے نتائج اخذ کرنا چاہتا ہے۔ آپﷺ کے معجزات، Myths یعنی فرضی اور گھڑی ہوئی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ وہ حقائق ہیں جنہیں یا قرآن کریم نے بیان کیا ہے یا احادیث صحیحہ میں روایت کئے گئے ہیں۔ اگر احادیث میں کوئی ضعف یا سقم تھا تو اسے بھی محدثین نے بیان کر دیا ہے۔ اب مصنف کا یہ دعویٰ انتہائی بے بنیاد ہے کہ اس سلسلے میں کرنے کا کوئی کام اٹھارہویں یا انیسویں صدی کیلئے باقی تھا اور یہ کہ جدت پسند علماء نے جدید چیلنجز سے مرعوب ہو کر اس کمی کو پورا کیا۔ حضورﷺ کی معجزاتی شانوں کا بیان ہو یا آپﷺ کے بشر اور اللہ کا بندہ ہونے کا ذکر ہو دونوں کے اصل مآخذ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ہیں۔

خلاصہ بحث:

درج بالا بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ڈینئیل براؤن نے حضورﷺ کی پیغمبرانہ حیثیت کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مصنف نے کہا کہ پیغمبرﷺ کے معصوم ہونے کے بارے میں قرآن میں کوئی ذکر نہیں جبکہ ہماری بحث نے ثابت کیا ہے کہ عصمتِ انبیاء کے بارے میں کئی قرآنی آیات موجود ہیں۔ اس سے مصنف کا اگلا دعویٰ خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ یہ تصور نویں صدی عیسوی میں مسلم ادب کا حصہ بنا۔

مصنف کا یہ دعویٰ بھی انتہائی جانبدارانہ بلکہ متعصبانہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کی طرف سے احادیث کی درجہ بندی محض اس وجہ سے تھی کہ وہ اپنی ناپسندیدہ احادیث سے جان چھڑا سکیں۔ ہم نے واضح کیا ہے کہ احادیث کی درجہ بندی کے بنیادی اسباب کیا تھے اور کس اخلاص اور تندہی سے محدثین و فقہاء کرام نے اس خدمت کو سرانجام دیا۔ کوئی بھی محقق اور غیر جانبدار سکالر ان کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح رسول کریمﷺ کی پیغمبرانہ شان اور معجزات کی اہمیت کو یہ کہہ کر بے وقعت کرنا کہ یہ بعد کے صوفیاء اور داستان سرا لوگوں کے اضافے ہیں، انتہائی بے بنیاد الزام ہے۔ یونہی آپﷺ کی بشری حیثیت کو دورِ جدید کا پیدا کردہ تصور قرار دینا بھی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ہماری بحث نے یہ واضح کیا ہے کہ آپﷺ کی یہ دونوں حیثیتیں خالصتاً قرآن و حدیث کی بیان کردہ ہیں اور اس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو اعتدال و توازن کی راہ پر ثابت قدم رکھنا ہے۔

حوالہ جات

[1]Brown, Daniel, W, Rethinking Tradition in Modern Islamic Thought, Great, Britain, Cambridge University Press, 1996, P.60
[2]Ibid-P.61
[3]Ibid-P.62

[4]ابن اثیر جزری، علی بن محمد، النھایہ فی غریب الحدیث، مؤسسہ مطبوعاتی، ایران، 1364ھ، ج3، ص249

[5]ابن منظور افریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، ادب الجوزہ، ایران، 1405ھ، ج12، ص403

[6]اصفہانی، راغب، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن، ص340

[7]زبیدی، محمد مرتضیٰ حسینی، تاج العروس، مطبعہ خیریہ، مصر، س ن، ج8، ص99

[8]تفتازانی، مسعود بن عمر، سعد الدین، شرح عقائد نسفی، نور محمد اصح المطابع، کراچی، س ن، ص109

[9]خیالی، احمد بن موسیٰ، شمس الدین، حاشیہ خیالی، مطبع یوسفی، لکھنو، انڈیا، س ن، ص146

[10]عیاض بن موسیٰ، قاضی، الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ؛248؛ عبد التواب اکیڈمی، ملتان، س ن، ج2، ص125

[11]سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، لاہور، ط2003، 5، ج1، ص366-365 / سعیدی، غلام رسول، علامہ، مقالاتِ سعیدی، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، کراچی، ط2014، 1، ص61-60

[12]النجم، 53:1-4

[13]کاندھلوی، محمد ادریس، حجیت حدیث، زم زم پبلیکشنز، کراچی، 2015، ص40

[14]ایضاً

[15]آل عمران 3:31

[16]الحجرات 49:6

[17]سعیدی، تبیان القرآن، ج1، ص365-366

[18]ص 38:45-46

[19]ص 38:82-83

[20]الحجر 15:42

[21]الصف 61:3

[22]الجن 72:76-77

[23]ص 38:47

[24]یونس 10:16

[25]سعیدی، غلام رسول، علامہ، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور، ط2003، 11، ج4، ص81-72

[26]ایضاً، ج2، ص526-522

[27]کرم شاہ، محمد، پیر، سنت خیر الانام، دعوہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، ط2012، 2، ص168

[28]بخاری، عبد العزیز، کشف الاسرار عن اصول الاسلام البزدوی، دار الکتاب العربی، بیروت، 1308ھ، 2/310 / ملاجیون، شیخ احمد، صدیقی، نورالانوار، 1/476

[29]شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجتہ اللہ البالغہ، دار احیاء العلوم، بیروت، ط1992، 2، ج1، ص271

[30]صدیقی، محمد سعد، ڈاکٹر، علم اصولِ فقہ: ایک تعارف، مرتب، ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں، شریعہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، 2006ج1، ص219

[31]شامی، ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1415ھ، ج1، ص198

[32]Brown P.63

[33]المائدہ3:5

[34]سرخسی، محمد بن احمد، شمس الائمہ، المبسوط، دارالمعرفہ، بیروت، 1398ھ، ج5ص104

[35]شرقپوری، عبدالمجید، تقریظ شرح صحیح مسلم، مصنف، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور، ط2004، 2، ج1، ص66-65

[36]Brown P.65

[37]Neufeldt, Victoria, Webstar's New World Dictionary, Third College edition, Simon and Schuster, Inc. New York, 1988, P. 898

[38]Smith, Janathan, Z, Kees W. Boll and Richard. G.A. Buxton. (n.d.) Myth, Retrieved from www.britannica.com/topic.myth on 01-04-2020

[39]المجادلہ11:58

[40]ایضاً12:58

[41]الحجرات2:49

[42]کرم شاہ، محمد، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 1995، ج4، ص580

[43]النور63:24

[44]الانفال24:8

[45]بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اردو ترجمہ: عبدالحکیم خان اختر، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1982، ج2، ص203 / احمد بن حنبل، مسند، دارالفکر، بیروت، 1415ھ، ج4، ص211

[46]آلوسی، محمود بن عبد اللہ، سید، روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن، ج9، ص191

[47]الحجرات4:49-5

[48]الاحزاب53:33

[49]الفرقان7:25

[50]التوبہ30:9

[51]الکہف110:18

[52]الانبیاء7:21-8

[53]مسلم بن حجاج قشیری، الجامع الصحیح، اردو ترجمہ، غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور، ط2006، 1، ج1، ص391

[54]ایضاً، ج2، ص220

[55]ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، اردو ترجمہ: محمد صدیق ہزاروی، فرید بک سٹال، لاہور، ط2001، 2، ج2، ص667